© rasailojaraid.com

مولوی ہمیشہ تنقید کی زد میں

ابن الحسن عباسی

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی ملامت سہنے والا فرقہ ہے، یہ جو بھی کام کرے، ناقدین اس میں اعتراض وملامت کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال ہی لیتے ہیں...... ہر سمت سے ملامت کے تیروں کا رخ اس کی جانب رہتا ہے، لیکن یہ مولوی بڑی سخت جان اور "اثر پروف" کس قسم کی مخلوق ہے، اسے کسی کی ملامت کی کبھی کوئی پروا نہیں رہی، اس نے لوگوں کے طعنوں اور مرعوب ذہنوں کے تیشوں سے اپنا لباس بدلا نہ اپنی تہذیب بدلی، فکر بدلی نہ اپنی سوچ بدلی، نئے زمانے کی بے قید ہواؤں سے بڑے بڑوں کی کشتی ڈانواڈول ہوئی، لیکن ملا کی کشتی نے ہلکورے تک نہ لی، وہ اپنی اسی بھیس، اسی تہذیب، اسی لاٹھی، اسی پگڑی، اسی ٹوپی، اسی فکر اور اسی درویشانہ وضع وہیئت کے ساتھ زندگی کے دھارے میں شامل رہا...... اس دھارے کے رخ پہ بہنے والے بہت سوں کو کباب میں ہڈی اور آنکھ کے تنکے کی طرح اس کی چبھن محسوس ہوتی رہی اور اس چبھن سے چھٹکارا پانے کے لیے انہوں نے ہر طرح کے جتن کیے، منصوبے بنائے، سازشوں کے جال بُنے، اسلام کے جدید ایڈیشن تیار کیے۔ نئے ماڈلز کے نقشوں میں رنگ بھرے، اس مد میں کروڑوں نہیں، اربوں ڈالر خرچ کیے...... لیکن جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے لے کر دو ہزار ماڈل مدرسہ اسکول تک اور ادارہ تحقیقات سے لے کر الہدی انٹرنیشنل تک کوئی منصوبہ، کوئی سازش، کوئی ایڈیشن اور کوئی نیا ماڈل مدرسہ کامیاب نہیں ہو سکا...... ملا کی وہی صدا، وہی اذان آج بھی اسی شان وشکوہ، اسی طرز واداء کے ساتھ گونج رہی ہے اور اس کے مدارس اسی آن بان کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔

اسلامیات کے موضوع پر کئی لوگوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لیں، کسی نے آکسفورڈ سے اور کسی نے شکاگو یونی ورسٹی سے اپنی قابلیت کی سند حاصل کی، بہت سوں نے پاکستانی یونی ورسٹیوں میں اسلامی علوم پڑھے، ایم اے عربی اور اسلامیات میں گولڈ میڈلسٹ قرار پائے، مقالات لکھے، سیمیناروں میں شرکت کرنے لگے، بین الاقوامی تقریبات میں بلائے جانے لگے، کئی اسکالر بعض اسلامی موضوعات کے حوالے سے عالمی شہرت کے بام عروج تک پہنچے، بعض مفکرین اجتہاد کے علم ہاتھ میں لیے میدان میں اترے، جماعتیں بنائیں، کتابیں لکھیں، لٹریچر مرتب کیا، اداروں کی بنیاد رکھی...... لیکن برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے دین اور ایمان کے حساس معاملے میں ہمیشہ اعتماد اگر کیا تو چٹائی پر بیٹھنے والے اسی گدڑی پوش حجرہ نشین ملا ہی پر کیا، اس ملا کے فتوی کے مقابلے میں کسی مفکر کی کتاب، کسی پروفیسر کے مقالے، کسی اسکالر کی شہرت اور کسی اعلیٰ سے اعلیٰ عصری ادارے کی ڈگری کو برصغیر کے عام مسلمان کبھی خاطر میں نہیں لائے، اس سلسلے میں ملا ہی کا فتوی سکہ رائج الوقت رہا اور اس کی قبولیت پر آنچ نہیں آسکی۔

یہ تو عام اور یہاں کے جمہور اہلِ اسلام کی بات ہے لیکن مغربی نہج تعلیم وتربیت کا پروردہ ایک خاص طبقہ مولوی سے ہمیشہ نالاں رہا ہے، اس کا ہر ایرا غیرا کبھی مدارس کے نصاب میں کیڑے نکالتا ہے، کبھی وہاں کے نظام پر انگلی اٹھاتا ہے، کبھی ملا کی فکر وسوچ کو ترقی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ گردانتا ہے اور کبھی اس کی زبان وبیان کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے، پھر غضب یہ کہ ایسے لوگ بھی مدارس کو اصلاحی تجاویز دینا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں جنہوں نے اس نظام کا کبھی زندگی بھر اجمالی مشاہدہ بھی نہیں کیا۔ ۲۰۰۱ء میں جنرل پرویز مشرف کی حکومت پر دینی مدارس کی اصلاح کا جنون طاری ہوا تھا، مذاکرات کے دوران دینی مدارس کی سب سے بڑی تنظیم وفاق المدارس العربیہ کے صدر شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے جب ان سے پوچھا کہ "جنرل صاحب! آپ زندگی بھر کسی مدرسے میں گئے ہیں؟"...... اور جب انہوں نے نفی میں جواب دیا تو حضرت نے کہا کہ "جن مدارس کے نظام کا آپ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی میں ایک بار بھی مشاہدہ نہیں کیا، اس کی اصلاح کے لیے آپ کی تجاویز کی کیا قیمت ہو سکتی ہے"...... ہم نے بارہا مشاہدہ کیا کہ اس طبقے کا کوئی آدمی کس بڑے دینی مدرسے میں آیا، کلاسیں دیکھیں، اساتذہ کو پڑھاتے ہوئے دیکھا، آخری سال صرف حدیث شریف کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، تین چار سو طلبہ شریک درس ہوتے ہیں، حدیث شریف کی تلاوت، طلبہ کا انہماک اور احادیث نبویہ کی تشریح......دورۂ حدیث کا یہ منظر بڑا روح پرور ہوتا ہے...... یہ سب دیکھ کر آنے والا قطعاً اس سے متاثر نہیں ہوا، اکثر بڑے مدارس میں طلبہ کو کمپیوٹر سکھانے کا انتظام بھی ہے، جب آخر میں آنے والے کو کمپیوٹر روم کا مشاہدہ کرایا گیا تو کہنے لگا "اجی! یہاں تو بڑا کام ہو رہا ہے" حالانکہ جس چیز کو وہ "بڑا کام" کہہ رہا ہے وہ تو گلی گلی ہو رہا ہے، اس سے اس طبقے کے دل میں اسلامی علوم کی قدر دانی کا اندازہ لگا جا سکتا ہے۔

مولوی کی زبان و بیان کو ثقیل قرار دینے والوں کا اردو زبان کے اساتذہ فن اور اقبال اور غالب کے کلام کے متعلق کیا خیال ہے، اقبال کے ذرا یہ تین عام سے شعر پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ ثقیل ہیں یا نہیں:

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے، قم باذن اللہ
وہی زمیں، وہی گردوں ہے، قم باذن اللہ
کیا نوائے اناالحق کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی خوں ہے، قم باذن اللہ
غمیں نہ ہو کہ پراگندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے، قم باذن اللہ

اردو کے صحن گلاب میں انگلش لفظوں کے جھنکار پھیلانے والوں کے لیے "قم باذن اللہ"......"دگرگوں"......"انا الحق"، "گردوں"، "افسوں" جیسے کلمات یقیناً ثقیل ہیں۔ اقبال، غالب، میر، انیس، دبیر، جگر، حسرت، سرسید، آزاد، بابائے اردو مولوی عبدالحق اور اردو کے اُن تمام خدمت گاروں کی زبان ان کے لیے مشکل ہے جن کی عبارتوں میں عربی اور فارسی لفظوں کی خوشبو بسی ہے، بدیسی حس رکھنے والے لوگ اگر اس خوشبو کا لطف نہیں اٹھا سکتے تو اس میں مولوی کی زبان کا کیا قصور ہے، اردو کی خمیر ہی عربی فارسی لفظوں، ترکیبوں اور بندشوں سے اٹھی ہے، افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارے آج کے دور میں اردو ادب کی ناموری کا تاج ایسے بہت سے لوگوں کے سر سجا دیا گیا جنہیں عربی زبان سے دور کا بھی تعلق نہیں، فارسی پھر بھی بعض ادیب کہلانے والے تھوڑی بہت جانتے ہیں لیکن اردو میں مستعمل عربی الفاظ کے صحیح تلفظ سے بڑے بڑے نامور ادیب اور محقق عاجز نظر آتے ہیں۔

مدرسہ کے فاضل عالم کو ایم اے کے مساوی قرار دینے پر بھی بہت سے لوگ جز بز ہیں۔ سترہ ستمبر ۱۹۸۲ء کو یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن نے اپنے نوٹیفکیشن نمبر 80918ACAD/128 کے تحت وفاق المدارس العربیہ کی شهادة العالمية (عالم بننے کی سند) کو ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم کر لیا تھا، اس نوٹیفکیشن کا عملی اطلاق ملک کے تمام تعلیمی اداروں کے لیے ضروری تھا لیکن بعض اداروں نے اسے تسلیم کیا اور بعض نے نہیں، پشاور یونی ورسٹی ۱۹۹۸ء تک اس سند کی بنیاد پر ایم اے اسلامیات اور عربی میں داخلے دیتی رہی لیکن اس کے بعد معلوم نہیں کیوں وہ سلسلہ بند کر دیا گیا، البتہ اس سند کی بنیاد پر وہاں ایم فل اور پی ایچ ڈی میں داخلہ مل جاتا ہے پنجاب یونی ورسٹی پہلے ہی سے دینی مدارس کے حق میں "مرحوم" ہے، اس نے ابتدا ہی سے دینی مدارس کے فضلاء کے لیے اپنے تمام دروازے بند کر رکھے ہیں، چند سال قبل مولانا زاہد الرشدی صاحب نے دینی مدارس کے فضلاء کو ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری دلانے اور بعض عصری علوم پڑھانے کے لیے "شاہ ولی اللہ یونیورسٹی" کے نام سے گوجرانوالہ میں ایک ادارہ قائم کیا تھا، کچھ فضلاء کا یونیورسٹی نے امتحان لیا، رزلٹ کارڈ بھی جاری کیے لیکن ڈگری دینے سے انکار کر دیا اور محکمہ تعلیم کے ایک کارندے نے ان سے صاف کہہ دیا کہ "مولوی صاحب! دینی مدارس کی اسناد کی سرکاری حیثیت کی بات آپ بھول جائیں، یہ ضیاء الحق کا ڈنڈا تھا، جس کی وجہ سے ہم خاموش ہو گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے اور کچھ دیر بات چل گئی تھی "……اس لیے پنجاب کے محکمہ تعلیم میں بات چلانے کے لیے تو مستقل ڈنڈے کی ضرورت ہے……

کراچی یونی ورسٹی نے عالمیہ کی سند پر ایم اے کے امتحان کی اجازت نہیں دی ہے، انتظامیہ کا کہنا ہے کہ جب پہلے سے یہ سند ایم اے کے مساوی ہے تو پھر امتحان دینے کے کیا معنی ہیں، البتہ وہ ایم اے کے مساوی سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے اور ایک دو سال سے شہادۃ العالیہ (مساوی بی اے) کی بنیاد پر ایم اے میں داخلے دے رہی ہے، چنانچہ ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو منعقد ہونے والے اس کے سنڈیکیٹ کے اجلاس کی جو روئیداد ہے، اس کے صفحہ نمبر ۶ قرارداد نمبر ۳ کے ضمن میں وضاحت کی گئی ہے کہ "اس وقت جامعہ کراچی "شهادة العالمیه" پر ایم۔ اے کے مساوی سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے۔ اب "شهادة العالیه" کی سند پر "بی۔اے" کے مساوی کا سرٹیفکیٹ جاری کرے گی۔" اسی طرح کراچی یونیورسٹی میں اس سند کی بنیاد پر پی ایچ ڈی میں داخلہ مل جاتا ہے، البتہ یونی ورسٹی انتظامیہ نے "مساوی سرٹیفکیٹ" جاری کرنے کے لیے وفاق المدارس کی چاروں سندات شہادۃ العامہ، شہادۃ الخاصہ، شہادۃ العالیہ اور شہادۃ العالمیہ پیش کرنے کی شرط عائد کی ہے، یعنی یہ مساوی سرٹیفکیٹ یونی ورسٹی اسی فاضل کو دے دگی جس کے پاس وفاق المدارس کی مذکورہ چاروں سندات موجود ہوں۔ صرف شہادۃ العالمیہ کی بنیاد پر یہ سند جاری نہیں کی جاتی، حالانکہ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کے ذکر کردہ اس نوٹیفکیشن میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں۔

بہر حال یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کے اسی نوٹیفکیشن کی بنیاد پر الیکشن کمیشن نے ۲۹ جولائی ۲۰۰۲ء کو ایک نوٹیفکیشن جاری کیا، جس کے مطابق شہادۃ العالمیہ کے حامل وفاق المدارس وغیرہ کے فاضل عالم کو انتخابات میں حصہ لینے کا بجا طور اہل قرار دیا گیا…… حکومت کے وسیع پروپیگنڈہ کے غبار میں کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ "پانچ فیصد" حامی رکھنے والی دینی جماعتیں ایک موثر قوت ابھر کر اسمبلی میں پہنچ گی، لیکن جب نتائج آنا شروع ہوئے تو مبصرین اور ملک کو سیکولر بنانے والی قوتوں کے سارے تبصرے اور تجزیے دھرے کے دھرے رہ گئے، سرحد میں ان کی مضبوط حکومت بنی اور قومی اسمبلی میں ان بھاری بھر کم شخصیات، جبوں اور عماموں کی جلو میں ایک مضبوط اپوزیشن سامنے آئی۔

دینی جماعتوں کا یہ اتحاد، کئی دین دشمن حلقوں کی نظر میں کھٹک رہا ہے اور اسے دباؤ میں رکھنے، اپنے مقصد سے ہٹانے اور اس میں دراڑیں ڈالنے کی کوششیں بڑی تسلسل کے ساتھ جاری ہیں، چند دن پہلے مسلم انصاف ویلفیئر کے چیئرمین نے "اپنی ذمہ داری" کے بھرپور احساس سے سرشار ہو کر عدالت عظمی میں مقدمہ دائر کیا کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے معیار پر مجلس عمل کے وہ ۶۵ علماء پوری نہیں اترتے جنہوں نے عالمیہ کی سند پر انتخابات میں حصہ لیا ہے کیونکہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے عالمیہ کی سند کو تدریسی مقاصد کے لیے ایم اے اسلامیات اور عربی کے مساوی قرار دیا ہے، (کیونکہ نوٹیفکیشن میں for teaching purpose کے الفاظ ہیں) عوامی نمائندگی اور قانون سازی کے لیے نہیں۔

لیکن ظاہر ہے یہ کوئی وزنی دلیل نہیں، اول تو یہ کہ جب ایک فاضل عالم کی یہ حیثیت تسلیم کی گئی کہ وہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں اسلامی علوم پڑھانے، تعلیم و تربیت دینے اور استاذ بننے کا اہل ہے تو اس سے عوامی نمائندگی اور قانون ساز ادارے کے رکن بننے کی اہلیت از خود ثابت ہو جاتی ہے، کیونکہ تعلیم و تربیت اور ٹیچنگ کا شعبہ عوامی نمائندگی اور قانون سازی سے کم حساس نہیں، تدریس و تعلیم کا شعبہ تو سب سے زیادہ اہم، بنیادی اور حساس ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ بے ہودہ فلسفہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک طرف آپ ایک عالم فاضل کو مسند درس پر بیٹھنے کی اجازت تو دے رہے ہیں، اس سے پڑھ کر نکلنے والوں کو گریجویٹ بھی مانیں گے، اور ان کے اسمبلی تک پہنچنے پر آپ کو اعتراض بھی نہیں ہوگا لیکن دوسری طرف پڑھانے والے اور تعلیم سے آراستہ کرنے والے استاذ کو یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ آپ کے پاس مدرسہ کی سند ہے، یونیورسٹی کی نہیں، لہذا آپ عوامی نمائندگی کے ادارے میں نہیں جا سکتے۔

تیسرے یہ کہ اس منطق کی روشنی تھوڑی سی اور بڑھادی جائے تو کہنے والا اس کی روشنی میں یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر اور انجینئر وغیرہ بھی قانون ساز ادارے کے رکن بننے کے اہل نہیں ہونے چاہیں کیونکہ متعلقہ تعلیمی ادارے سے ان کو طب اور انجینئرنگ کی سند دی گئی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طب اور انجینئرنگ کا قانون سازی، سیاسی امور اور عوامی نمائندگی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے، اس فلسفے کی رو سے تو صرف وہی لوگ اسمبلی کے رکن بننے کے اہل ہو سکتے ہیں جنہوں نے سیاست، قانون سازی اور عوامی نمائندگی میں ایم اے تک تعلیم حاصل کی ہو۔

پاکستانی یونیورسٹیوں اور عصری اداروں کے باقی شعبوں کو تو چھوڑیئے، ان کے صرف اسلامیات اور عربی شعبوں کا جائزہ لیا جائے تو گذشتہ نصف صدی میں ایک بھی ایسا فرد نظر نہیں آتا جس نے صرف وہاں سے فیض حاصل کر کے کوئی ایسا قابل رشک علمی، تحقیقی، تحریری یا اصلاحی کام کیا ہو جس نے عوام اور خواص میں مقبولیت حاصل کی ہو، اسلامی موضوعات پر لکھے جانے والی پچانوے فیصد مقبول عام و خاص کتابیں دینی مدارس کے علماء ہی کی مرتب کردہ ہیں...... بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرنے اور بھاری بھر کم سہولیات سمیٹنے والے اسلامیات و عربی کے پروفیسروں، ڈاکٹروں کی اکثریت کو نہ صحیح عربی آتی ہے اور نہ ہی اسلامی علوم میں انہیں ٹھوس پختہ استعداد حاصل ہوتی ہے، کہیں جا کر ان کے درس اور لیکچر کا مشاہدہ کیجئے تو ایک عجیب منظر نظر آئے گا، بنچوں پر بے پردہ خواتین بیٹھی ہوں گی، پڑھانے والے کی داڑھی عموماً کٹی ہو گی، پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہوں گے، دماغ دولت و دنیا کی ہوس سے آلودہ ہو گا...... جب استاذ کو اپنی تنخواہ کھری کرنی اور پڑھنے والے شاگرد کو ڈگری حاصل کر کے نوکری ڈھونڈنی ہو، پیٹ اور جیب ہی جس تعلیمی فضا کا سب سے بڑا ہدف ہو، اس میں اخلاص و للّٰہیت، پاکیزگی و روحانیت، بلند نظری و اعلیٰ مقصدی، بے نفسی بے غرضی اور ایثار و ہمدردی کی وہ اسلامی صفات کیسے پروان چڑھ سکتی ہیں جن سے اسلامی تعلیم و تربیت کی اصل روح قائم ہے۔

اس گئے گزرے دور میں ان صفات پر کا ہر تو اگر نظر آئے گا تو وہ ان مدارس اور وہاں کی فضاؤں میں تربیت پانے والے علماء اور فضلاء ہی میں نظر آئے گا، گو زمانہ انحاط کا ہے اور اس طرف بھی زوال اور کمزوری کے گوشے ہیں، لیکن پھر بھی خیر کے چھکتے غنچوں کے لیے آپ کو یہیں کا رخ کرنا ہو گا، یہاں اس کی صرف دو مثالیں دی جاتی ہیں:

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری کی گزشتہ سے پیوستہ رمضان میں وفات ہوئی، نو جلدوں پر مشتمل ان کی تفسیر "انوار البیان" کا انگریزی ترجمہ آج کل یورپ کے انگریزی خواں مسلمانوں میں بڑا مقبول ہو رہا ہے، سو کے قریب انہوں نے کتابیں لکھی ہیں، ان کی کتاب "تحفہ خواتین" پاکستان کے کئی اشاعتی ادارے شائع کر رہے ہیں اور بلا شبہ سال میں اس کے ہزاروں نسخے نکل جاتے ہیں، مولانا اگر چاہتے تو اپنی کتابوں کی رائلٹی لے کر لاکھوں کی جائیداد بنا سکتے لیکن انہوں نے مدینہ منورہ کے ایک وقف مکان میں بڑی سادگی کے ساتھ زندگی کے آخری تیئس چوبیس سال گزارے، کسی کتاب کی رائلٹی لینے کا معاملہ کبھی حاشیہ خیال میں بھی نہیں آیا، کتابوں کے عام ہونے اور لوگوں کا ان کتب سے فائدہ اٹھانے ہی کو سب سے بڑی رائلٹی سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اور صدر رہے ہیں، وفاق کا مرکزی دفتر ملتان میں ہے، مولانا کراچی میں جامعہ بنوری ٹاؤن میں مدرس تھے، امتحانی امور کے سلسلے میں ملتان تشریف لے گئے، دو دن کے بعد کراچی سے بذریعہ فون والدہ کی وفات کی اطلاع ملی، مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ اور دوسرے علماء نے انہیں کراچی جانے کے لیے کہا کہ اس طرح اہل خانہ اور خود ان کے دل کی تسلی و تسکین کا کچھ سامان ہو سکے گا، لیکن انہوں نے جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "جس عظیم دینی مقصد کے لیے میں یہاں آیا ہوں، میرے نزدیک وہ کراچی تسلی کے لیے جانے سے زیادہ اہم ہے"......

اصلاح و اخلاص کے ایسے درخشندہ نمونے قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے معمور فضاؤں ہی میں وجود میں آسکتے اور پرورش پا سکتے ہیں۔

نماز عشق میں دلکشی بہت ہے مگر
جگر کا گرم لہو چاہئے وضو کے لیے

☆☆☆

© rasailojaraid.com